مولانا قاضی محمد رویس خان ایوبی ☆

طلبہ کے سوالات واشکالات اور ارباب مدارس کا رویہ

[۱۵ فروری ۲۰۰۹ء کو الشریعہ اکادمی میں ''عصر حاضر میں تدریس
حدیث کے تقاضے'' کے موضوع پر منعقدہ سیمینار سے اختتامی خطاب]

میں نے ۱۹۶۳ء میں جامعہ اشرفیہ سے دورۂ حدیث پڑھا۔ بڑی پرانی بات ہے۔ میرے اساتذہ میں وہ لوگ شامل ہیں، صرف شامل ہی نہیں بلکہ وہی ہیں کہ جن کو دیکھ کر محاورتاً نہیں، حقیقتاً خدا یاد آ جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کے چہرۂ انور کی برکت ہے کہ آج تک ہمارے اندر ایمان کی رمق موجود ہے۔ یقیناً وہ بہت اونچے لوگ تھے، مولانا رسول خانؒ صاحب، مولانا کاندھلویؒ، اور مولانا عبید اللہ صاحب، اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز فرمائے۔ اس کے بعد سے مسلسل چالیس پینتالیس سال سے میں حدیث کا مطالعہ کر رہا ہوں۔

مفتی برکت اللہ صاحب نے انٹرنیٹ اور تمام سورسز آف نالج کو استعمال کرنے کا کہا۔ امام بخاریؒ، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداؤد سجستانی، یہ سارے کے سارے ائمہ اور امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل، فقہا، مجتہدین، محدثین سب کے سب اس دور میں اونٹوں، گھوڑوں، گدھوں اور خچروں پر سوار ہوا کرتے تھے اور بہت عرصے کے بعد جا کر منزل مقصود تک پہنچتے تھے۔ آج کوئی مولوی یہ نہیں چاہتا کہ میں گھوڑے یا گدھے پر سفر کروں۔ وہ جہاز کا ٹکٹ پہلے تلاش کرتا ہے۔ اسی طرح علمی طور پر کسی تیز رفتار ذریعے کو اختیار کرنا کوئی جرم نہیں ہے۔ آج الیکٹرانک دور ہے۔ اس دور میں کوئی بندہ اگر دین پڑھ جائے گا تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ اپنی کتنی صلاحیتوں کو دین کے لیے صرف کر سکے گا۔ میرے پاس کراچی سے ٹی وی کے حوالے سے ایک فتویٰ آیا تھا کہ کراچی میں کچھ صاحبان نے مولانا سلیم اللہ خان کی صدارت میں ٹی وی کو حرام قرار دیا ہے۔ ذرا بتایئے کہ آپ مجھ سے کوئی یہ کہے کہ مفتی صاحب! آپ آیئے اور مجھ سے کشتی لڑیں تو میں کہوں گا کہ شرم کریں بھائی، یہ میرے بچوں کی جگہ ہے۔ میں کوئی کشتی لڑنے آیا ہوں؟ مجھے اپنی ٹوپی، اپنی شیروانی، اپنی عینک کی عزت کا خیال ہے کہ یہ مہذب لوگوں کا شیوہ نہیں ہے، لیکن میرے آقا نے کشتی لڑی اور اس پہلوان کا نام رکانہ تھا۔ اس نے کہا آپ مجھ سے کشتی لڑیں تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا۔ پیغمبر نے بازو اوپر کر لیے اور کہا کہ لڑتا ہوں۔ دین پھیلانے کی خاطر کشتی لڑنا بھی حرام نہیں۔ آج کے جدید دور میں لوگ طرح طرح کے پروگرام ٹی وی چینلز کے ذریعے پھیلا رہے ہیں تو آپ صرف الشریعہ اکادمی یا کسی مسجد کے اندر بیٹھ کر اس پیغام کو عام نہیں کر سکتے۔ لہٰذا جدید ذرائع سے استفادہ کرنا نہ

☆ صدر مجلس افتاء، آزاد جموں وکشمیر۔

صرف پیغمبر کی سنت ہے، بلکہ تمام مولویوں کی سنت ہے۔ مجھ سے کسی نے پوچھا کہ ٹی وی میں اشتہار آتے ہیں تو بھائی، اشتہار جبریل نازل نہیں کرتا، لوگ اشتہار دیتے ہیں تو آتے ہیں، آپ نہ دیں تو اشتہار نہیں آئیں گے۔ باقی رہی یہ بات کہ انٹرنیٹ میں گند بھی ہوتا ہے تو انٹرنیٹ واقعی ایک سمندر ہے، لیکن اس سے وہیل مچھلیاں، شارک مچھلیاں، گھونگے، زعفران اور مرجان نکالنا ان کا کام ہے جو جانتے ہیں۔ ہوتا تو سب کچھ ہوتا ہے۔

مفتی صاحب نے جدید ذرائع کے استعمال سے متعلق تو بات کی ہے لیکن حدیث کے فہم کے حوالے سے بات نہیں کی۔ میں نے حضرت کاندھلوی اور مولانا رسول خان صاحبؒ سے حدیث پڑھی ہے۔ کچھ احادیث ایسی ہیں جو آج تک میری سمجھ میں نہیں آئیں۔ مثلاً تمیم داری کی حدیث جو مسلم شریف میں ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سمندر کے سفر پر گئے اور کشتی ٹوٹ گئی تو ہم ایک جزیرے پر جا پہنچے۔ وہاں بالوں سے بھرے ہوئے جسم والی ایک چیز ہمیں ملی جس کے جسم کے اگلے اور پچھلے حصے کا کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا۔ وہ بات کرتی تھی لیکن "لا نفقه مايقول"، ہمیں سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ پھر وہی راوی یہ بتاتا ہے کہ اس نے کہا کہ کیا بحیرہ طبریہ خشک ہو گیا؟ ہم نے کہا، ہاں۔ اس نے کہا، قریش کے نبی ظاہر ہو گئے؟ ہم نے کہا، ہاں۔ سوال یہ ہے کہ جب اس کی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی تو یہ سوال و جواب کیسے ہوا؟ یہ غور طلب بات ہے۔ پھر یہ قصہ جو خاتون سنا رہی ہیں، ان سے کسی نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سناؤ تو وہ خاتون کہتی ہے، میرا نکاح الف سے ہوا، وہ مرا، ب سے ہوا، وہ مرا، ت سے ہوا، وہ مرا، ج سے ہوا، پھر ایک دن "الصلوة جامعة" کی آواز لگائی گئی۔ ہم وہاں پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دجال والا قصہ سنایا کہ تمیم داری وہاں گئے۔ بھئی اس نکاح کا حدیث سے کیا تعلق ہے؟ پھر وہ بتاتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم سے نہیں کہتا تھا کہ دجال آ گیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: هو فی بحرالشام، لا هو فی بحر اليمن، لا هو فی الشرق۔ فرمایا وہ شام میں ہے، نہیں نہیں، وہ یمن میں ہے، نہیں نہیں، وہ تو مشرق میں ہے۔ وہ یہاں نہیں آئے گا۔ سوال یہ ہے کہ یہ کس کی باتیں ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں، یمن میں ہے۔ نہیں، شام میں ہے۔ نہیں، وہ مشرق میں ہے۔ نہیں، وہ مغرب میں ہے۔ میں اعتراض نہیں کر رہا۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ جب محدث اور شیخ الحدیث پڑھائے تو طالب علم کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سے پیغمبر کا کیا مقصد ہے؟ لیکن اگر وہ یہ پوچھتا ہے تو مدرسے والے اسے دوپہر سے پہلے پہلے نکال دیں گے کہ یہ بے ایمان اور پرویزی ہے اور یہ مدرسے کی روٹیاں کھا کر مفکر بننا چاہتا ہے۔ یہ اس کا حل نہیں ہے۔

غزوہ خیبر کے موقع پر صفیہ بن حیی بن اخطب ایک خاتون تھیں جو دحیہ کلبی کے حصے میں آئیں۔ یہ وہی صحابی ہیں جبریل سے مشابہت والے۔ آپ نے ان کو دے دی تو صحابہ کا ایک گروپ آیا اور آپ سے عرض کیا کہ "الا انها اجمل نساء اليهـــود" یہ یہودیوں کی سب سے خوبصورت خاتون ہے، آپ نے کس کو پکڑا دی ہے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دحیہ کو بلایا اور کہا، کیا تم اس سے میرے لیے دستبردار نہیں ہو سکتے؟ تو دحیہ نے جواب دیا کہ فداک ابی وامی، ایک صفیہ کیا، ہزاروں آپ پر قربان۔ حضور نے صفیہ کو ان سے واپس لے لیا اور واپسی کے لیے اپنی سواری پر سوار ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ نے سوچا کہ یہ بیوی بنتی ہے یا لونڈی۔ اگر تو اس سے پردہ کرایا تو زوجہ محترمہ ام المومنین ہوگی اور نہ کرایا تو لونڈی شمار کی جائے گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ کو اونٹ پر بٹھانے کے لیے اپنا گھٹنا مبارک دہرا کیا اور اس پر صفیہ نے اپنے پاؤں رکھا۔ یہ غزوہ خیبر کے حوالہ سے فتح الباری میں واقعہ موجود ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران پر صفیہ نے پاؤں رکھا تو فتح

الباری میں ہے کہ فتمعر وجه رسول الله صلی الله علیه و سلم ۔ ہر بندہ جو صنفی معاملات کو جانتا ہے، سمجھ سکتا ہے کہ تمعر کا کیا مطلب ہے اور حضور کا چہرہ کیوں سرخ ہو گیا۔ جب آپ کجاوے میں بیٹھ گئے اور کجاوہ اوپر سے بند ہے تو صحابہؓ نے سمجھ لیا کہ یہ ام المومنین ہیں، لونڈی نہیں ہیں۔ واقعے کے مطابق کجاوے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ کو چھیڑا تو انہوں نے کہنی ماری جس پر حضور پیچھے ہٹ گئے۔ جب ایک جگہ جا کر اترے تو حضور نے پوچھا کہ تمہیں مجھ سے نفرت ہے؟ صفیہ نے جواب دیا، نفرت تو نہیں ہے، لیکن چونکہ یہودی قرب وجوار میں تھے اور میں سردار کی بیٹی ہوں تو مجھے خدشہ تھا کہ کہیں وہ غیرت کی وجہ سے حملہ نہ کر دیں اور آپ کو نقصان نہ پہنچائیں، اس لیے میں نے آپ کو روک دیا۔ قابل غور بات یہ ہے کہ یہ سارا واقعہ کجاوے کے اندر ہوا ہے۔ کجاوے کے اندر کی بات باہر کیسے آئی؟ جس راوی نے اس کو بیان کیا ہے، اس کو کس نے بتایا؟ سوال یہ ہے کہ میاں بیوی کی جو آپس کی بات ہے، یہ راوی کو کہاں سے ملی ہے؟ اگر پیغمبر نے اس کو بتایا ہے تو یہ بھی پیغمبر کی حدیث کے خلاف ہے کہ میاں بیوی اپنی باتیں باہر بتائیں۔

اسی طرح حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرۃ پر بے شمار اعتراضات ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ عرصہ تو ابو بکرؓ رہے، عمرؓ رہے، عثمان غنیؓ رہے اور حضرت امیر معاویہؓ کاتب وحی تھے تو سب سے زیادہ روایات ابو ہریرہؓ سے کیوں مروی ہیں۔ یہ سارے وہ مسائل ہیں جو طالب علمی کے دور میں ایک طالب علم کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں، مگر وہ استاد سے پوچھ نہیں سکتا، اس لیے اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ طلبہ کو حوصلہ دیا جائے کہ اگر کوئی شک پڑ جائے تو پوچھ لیا کرو، اور اس کے جوابات بھی موجود ہیں۔

آج میں قرآن کی ایک آیت پڑھ رہا تھا جو مجھے سمجھ میں نہیں آئی۔ ”لیسوا سواء من اهل الکتاب امة قائمة“ کہ سارے اہل کتاب برابر نہیں ہیں۔ ان میں بہت اچھے لوگ بھی ہیں جو ”آناء الیل و آناء النهار“ تلاوت آیات کرتے ہیں، سجدوں میں مصروف رہتے ہیں، اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ ”و اولئك من الصالحین“ وہ صالحین ہیں، نیک لوگ ہیں۔ اس سے دور حاضر کے یہودیوں نے استدلال کیا ہے۔ اسی طرح ”ان الذین آمنوا و الذین هادوا و النصاری و الصابئین“ والی آیت ہے کہ جو یہودی ہوئے، عیسائی ہوئے، صابی ہوئے، ان میں سے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آخرت پر ایمان لائے، وہ سارے کے سارے جنتی ہیں۔ یہودیوں کا نارتھ کیرولینا میں ایک سکول ہے۔ میں اس میں خود گیا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ان دونوں آیات سے پتہ چلتا ہے کہ رسالت محمدی پر ایمان لائے بغیر بھی بندہ جنت میں جا سکتا ہے۔ اب یہ سوال اگر کوئی طالب دورۂ تفسیر میں رد مذاہب باطلہ کے دس دس فٹ لمبے اشتہار لگانے والوں سے پوچھے گا تو وہ کہیں گے کہ تو تو بے ایمان ہے۔ رد مذاہب سے مراد ہے شیعہ، رد مذاہب سے مراد ہے بریلوی، رد مذاہب سے مراد ہے آٹھ رکعتیں یا بیس رکعتیں، رد مذاہب باطلہ سے مراد زیادہ سے زیادہ آگے چلے گئے تو مرزائی۔ ان آیتوں پر اعتراض تو کہاں سے لے آیا؟ تو کافر ہے۔ تو اس رویے کو بھی تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔